فضیلت بانو
پی ایچ-ڈی سکالر
جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

مثنوی کدم راؤ پدم راؤ (مرتبہ: ڈاکٹر جمیل جالبی) کی ترتیب و تنظیم: تجزیاتی مطالعہ

Fazilat Bano
Ph.d Scholar
GC University, Faislabad

Masnavi Kadam Rao, Padam Rao(Editted by Dr. Jamil Jalibi): An Analytical study

Dr. Jamil Jalibi a historian of literary history and researcher of Urdu archives of early period particularly in South India. His glorious work is the editing the text of mathsnavi Kadam Rao, Padam Rao with its glossary. In this article the researcher has described various lingual and cultural and poetical aspects of this master piece of Nizami Deccani which has become a classical example of literary research.

اردو ادب کے منظر نامے پر جن اہل علم کو بطور محقق اور نقاد غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی ہے ان میں ڈاکٹر جمیل جالبی کا نام کئی پہلوؤں سے نمایاں ہے۔ نقاد، محقق، ادبی مؤرخ، ماہر ثقافت، ماہر تعلیم، مترجم، قومی مسائل کے نباض، غرضیکہ علم وادب کے متعدد شعبوں میں ان کی خدمات اہل فکر ونظر سے تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ بحیثیت ادیب اور محقق ڈاکٹر جمیل جالبی کو کیفیت اور کمیت دونوں اعتبار سے غیر معمولی حیثیت حاصل ہے۔ تاریخ اُردو ادب کے بعد ان کا سب سے بڑا کارنامہ مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کی دریافت ہے۔

یہ مثنوی اردو زبان وادب کی پہلی معلوم تصنیف ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی کوشش سے پہلے اس مثنوی کے بارے میں کوئی خاص معلومات دکھائی نہیں دیتیں، ڈاکٹر جالبی نے بڑی عمیق نظری سے تحقیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ادبی قارئین کے لیے ایک نیا دروازہ کھولا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا، جالبی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''برادرم ڈاکٹر جمیل جالبی کے ادبی کارناموں کا محض چند الفاظ میں ذکر کر دینا ممکن نہیں ہے۔ وہ صحیح معنوں میں ایک مفکر ادیب ہیں۔ انھوں نے گزرگاہ خاص وعام پر ہمہ وقت چلتے رہنے کی بجائے قدم قدم پر اپنے لیے نئی راہیں

تلاش کی ہیں تحقیق کے میدان میں انھوں نے تن تنہا ایک ایسا عظیم الشان کام سرانجام دیا ہے جو بڑی اکادمیوں کے کرنے کا تھا۔ [۱]

جالبی صاحب نے مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کے حوالے سے بہت زیادہ محنت اور دقتِ نظر سے کام لیا ہے۔ اس مثنوی کے مصنف کا نام فخر دین اور تخلص نظامی ہے، نظامی کی پیدائش، وفات اور زندگی کے دوسرے واقعات کی تفصیلات ہمیں معلوم نہیں ہیں۔ کسی قدیم تذکرے یا کتاب میں نظامی کا نام نہیں آیا۔ نظامی کے نام وتخلص کا علم بھی اسی مثنوی سے ہوتا ہے چونکہ اس مثنوی کی ابتداء میں احمد شاہ ولی کی مداح میں اشعار ملتے ہیں اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ یہ مثنوی اسی فرمانروا کے عہد میں لکھی گئی تھی۔ گویا یہ آج سے تقریباً چھ سوسال پہلے کی زبان کا نمونہ ہے۔ کہانی کے اعتبار سے یہ مثنوی کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی لیکن لسانی نقطہ نظر سے یہ ایک اہم تصنیف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ سوسال پہلے ہماری زبان کی حالت کیا تھی؟ اس پر کون کون سے لسانی اثرات غالب تھے۔ اس کا ذخیرۂ الفاظ کن کن زبانوں سے بنا ہے۔ مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کے مقدمے میں ڈاکٹر جالبی لکھتے ہیں:

>''اس مثنوی میں بیک وقت کھڑی، پنجابی، راجھستانی، برجی، گجری، سندھی، سرائیکی اور مرہٹی کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ میں نے جب پنجابی، سندھی، کھڑی، راجھستانی، برجی اور گجراتی بولنے والوں کو الگ الگ اس مثنوی کے اشعار پڑھ کر سنائے تو انھوں نے جہاں اور کئی باتیں کہیں وہاں یہ بات مشترک تھی کہ زبان ان کی اپنی زبان کے قریب ہے اور آج بھی اس کے بہت سے الفاظ ان کے گھروں میں بولے جاتے ہیں۔ اس تجربے سے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ قدیم زبان جو اس مثنوی میں استعمال ہوئی ہے اس میں صدیوں کے میل جول سے متعدد زبانوں کا خون ہے اور اسی خاندانی شباہت کی وجہ سے مختلف زبانیں بولنے والے اسے اپنی زبان سے قریب پاتے ہیں۔'' [۲]

مثنوی کی ترتیب:

ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس مثنوی کو تدوین کے جدید اصولوں کے مطابق مرتب کیا ہے۔ ایک صفحے پر مخطوطے کے ایک صفحے کا عکس چھاپا ہے اور اس کے سامنے کے صفحے پر اس متن کو جدید رسم الخط میں لکھا ہے۔

مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کا دنیا میں ایک ہی معلوم نسخہ ہے جو انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی کے کتب خانہ میں موجود ہے جس کا سائز سات اعشاریہ دو انچ × پانچ اعشاریہ ایک انچ ہے۔ یہ واحد نسخہ بھی ناقص ہے۔ بیچ بیچ میں سے اکثر صفحات غائب ہیں اور آخر میں بھی مثنوی کے کم از کم دو تین صفحات کم معلوم ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے کاتب کے نام اور سنہ کتابت کا پتہ نہیں چلتا۔ عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ مصرعوں کے وسط اور دوسرے مصرعوں کے آخر میں نشان (ہا) سرخ روشنائی سے دیا گیا ہے۔ پہلے صفحے پر بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم نے اپنے ہاتھ سے ''مثنوی کدم راؤ پدم راؤ'' فخر نظامی کے الفاظ لکھے ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ سن ۸۲۵ھ یہ سن احمد شاہ کی تخت نشینی کا ہے۔ وفات ۸۳۸ھ (۱۴۳۴ء) ان کے نیچے عبدالحق لکھا ہے۔ اس نسخہ کا رسم الخط نسخ ہے لیکن یہ نسخ اتنا مشکل ہے کہ اسے پڑھنا اتنا ہی دشوار ہے جتنا عہدِ قدیم کے کسی رسم الخط کو پڑھ کر مفید مطلب باتیں اخذ کرنا۔

مثنوی کا زمانہ تصنیف :

تذکرہ سلاطین دکن میں مذکور ہے:

'' چونکہ احمد شاہ بہمنی ولی مشہور تھا۔ زندگی میں تمام اس کی ولایت کو مانتے تھے ۔ مرنے کے بعد زندگی سے زیادہ اس کی ولایت کی قدر کرنے لگے ۔''[۳]

لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسی احمد شاہ ولی البہمنی کے دورِ حکومت ۸۲۵ھ/۱۴۲۱ء ، ۸۳۹ھ/۱۴۳۵ء میں اردو زبان کی یہ پہلی معلوم مثنوی کدم راؤ پدم راؤ لکھی گئی۔

مثنوی کا اصل نام :

'' مثنوی کے اصل نام کو معلوم کرنا مشکل ہے چونکہ اس کے ابتدائی اور آخری صفحات غائب ہیں ،مثنوی کے دو کردار ہیں ایک کدم راؤ جو راجہ ہے اور دوسرا پدم راؤ جو وزیر ہے۔ مولانا نصیر الدین ہاشمی نے انہی کرداروں کی مناسبت سے اس کا نام مثنوی کدم راؤ پدم راؤ رکھ دیا ہے اور یہ مثنوی اب اسی نام سے مشہور ہے۔''[۴]

نام واحوالِ مصنف :

مخطوطہ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کے مصنف کا نام فخر دین اور تخلص نظامی تھا۔مثنوی میں اس نے کئی جگہ اپنا نام اور تخلص ساتھ ساتھ استعمال کیا ہے اور یہ التزام رکھا ہے کہ پہلے ایک شعر میں وہ خود کو اپنے پورے نام فخر دین سے لکھتے ہیں مثلاً صفحہ نمبر ۲۲ پر ایک شعر ہے۔

؎ کہے فخر دین ایک ساچا بچن
پہلے پرکھے جے کرے کوئی کن

اس طرح صفحہ نمبر ۲۰ پر بھی صرف فخر دین لاتا ہے۔

؎ کر جے فخر دین گیان ہے دیہہ سدھ
پدم لکھ بانچے کدم کون بدھ

صفحہ نمبر ۱۶ پر پہلے شعر میں فخر دین اور اس کے بعد فوراً دوسرے شعر میں اپنا تخلص لاتا ہے۔

تہیں فخر دین دیکھ انیا راؤ
کہ بن دوس دھن پر ہری دکھ لاؤ
نظامیؔ دھرم دکھ کیوں راودے
کہ پت ورت گن بات دھن سوگئے

نظامی کی زندگی کے حالات کسی تذکرہ وتاریخ میں نہیں ملتے،مثنوی کی داخلی شہادت کے پیش نظر صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ احمد شاہ ولی

بہمنی کے زمانہ میں بیدر میں تھے۔ وہ فارسی داں ضرور تھے اس لیے کہ مثنوی کے سارے عنوانات فارسی میں لکھے گئے ہیں۔ قدیم شعرا میں بھی کسی اور کا نام نظامی نہیں ملتا۔مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کی اشاعت کے بعد یہ بات اختلافی نہیں رہی کہ مثنوی میں اشعار کی تعداد کتنی ہے۔ اس مثنوی میں اشعار کی تعداد۱۰۳۲ ہے اور۱۰۳۳ واں شعر نامکمل ہے اس کے بعد کے اشعار ضائع ہوگئے ہیں۔ [۵]

مثنوی کی ہیئت :

مثنوی کدم راؤ پدم راؤ اپنی ہیئت کے اعتبار سے فارسی مثنوی کی مقررہ ہیئت اور فعولُن فعولُن فعولُن فَعَل کے وزن میں لکھی گئی ہے۔ آخری رکن کہیں کہیں فعل کی بجائے فعول ہوگیا ہے۔ یہ تبدیلی فارسی اوزان وبحور کے مطابق ہے۔حسب قاعدہ پہلے حمد آتی ہے پھر نعتِ رسولؐ اور اس کے بعد بانیٔ سلطنت بہمنی کی مدح آتی ہے چونکہ مدح کے اشعار بھی مخطوطہ میں پورے نہیں ہیں اور مدح کے بعد بھی کئی صفحات کم ہیں اس لیے فوراً قصہ شروع ہوجاتا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا سوال تھے جو راجہ کدم راؤ نے اپنے وزیر پدم راؤ سے پوچھے تھے۔مخطوطے کے صفحات بیچ میں سے غائب ہونے کی وجہ سے قصہ کا تسلسل بار بار ٹوٹ جاتا ہے۔ مثنوی میں کدم راؤ انسان ہے اور ہیرانگر کا راجہ ہے جیسا کہ مثنوی کے شعر نمبر۲۸۲ اور۸۲۲ سے ظاہر ہوتا ہے۔ پدم راؤ اس کا وزیر ہے جو ناگ راجہ ہے۔

اِملا اور کتابت کا معیار :

’’ ترقیمہ نہ ہونے کی وجہ سے کاتب کے نام کا پتہ نہیں چلتا،مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کا رسم الخط اور اصل میں ساری مشکلات کا ذمہ دار ہے۔ دکن میں نسخ کو ایران کی پیروی میں اختیاری کیا گیا تھا۔‘‘[۶]

معیاری اِملا:

املا کا کوئی معیار کاتب کے پیش نظر نہیں ہے۔ وہ ایک ہی حرف کو مختلف طریقے سے لکھتا ہے۔کاتب بدخط ہے۔ اسے اپنے فن پر قدرت حاصل نہیں ہے۔کم وبیش سارے قدیم دکنی مخطوطات اسی رسم الخط میں ہیں لیکن مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کا نسخ کچھ اتنا عجیب ہے اور مسخ ہے کہ بس صرف ظاہری شباہت میں اسے نسخ کہا جاسکتا ہے۔ املا کے سلسلے میں چند باتیں قابل ذکر ہیں:

عربی ، فارسی اور اُردو آوازوں کا اختلاط :

وہ آوازیں جو عربی ، فارسی کے علاوہ صرف اردو زبان سے مخصوص ہیں ان کے لیے بھی کوئی اصول وضع نہیں ہوئے۔ کاتب نے اپنی مخصوص علامتوں سے ان آوازوں کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہیں ان علامتوں کو ظاہر کردیا ہے اور کہیں انھیں پڑھنے والے کی عقل وذہانت کے لیے چھوڑ دیا ہے۔

اعراب کی کثرت :

اعراب کا استعمال بڑی کثرت سے کیا گیا ہے اور اس میں بھی احتیاط نہیں برتی گئی جس کی وجہ سے پڑھنے والا غلط فہمیوں کا شکار ہوجاتا ہے۔

’’جزم کے لیے’’ہ‘‘ کا نشان ہے اور ایسے سہ سرخی الفاظ کے تیسرے حرف کو جن کا صرف پہلا حرف متحرک ہے، زبر

کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے مثلاً ''دَرْدَ'' اس طریقے کے مطابق دَرْدَ لکھا جانا چاہیے ۔ یہ طریقہ اس وقت بھی سندھی زبان کے رسم الخط میں موجود ہے۔''[۷]

یائے معروف ومجہول میں کوئی امتیاز نہیں :

یائے معروف ومجہول میں کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا۔ اکثر ہائے دوچشمی کو الفاظ کے شروع میں استعمال کیا گیا ہے اور ہائے ہوز کو درمیانِ ابیات ہائے مخلوط کی جگہ لکھا ہے۔

حروف کی تبدیلی :

قدیم مخطوطات میں اکثر ٹ کوت کی شکل میں لکھا جاتا تھا ۔ اسی طرح گ کے لیے ک لکھ کر اس کے نیچے تین نقطے لگا دیتے تھے۔''[۸] یہی اصول اکثر الفاظ میں کدم راوٗ پدم راوٗ میں برتا گیا ہے، لیکن یہ اصول بھی یکسانیت کے ساتھ نہیں برتا گیا۔ سارا کام پڑھنے والے پر چھوڑ دیا گیا ۔ انہی نقائص کی وجہ سے اسے پڑھنا جوئے شیر لانے کے مترادف بن گیا ہے۔مخطوطے میں املا کا متن درج ذیل طریقے سے ظاہر کیا گیا ہے۔

نمبر شعر	اِملائے مخطوطہ	املائے متن
۱	کُپسآئین	گُسائیں
۹	مانہ۔مَنہَ	مَنہ ۔ میں
۱۰	تھارتھار	ٹھارٹھار
۱۱	جگ مکاتا	جگمگانا
۱۳	نہ	ن
۱۵	کر	کرے
۲۸	آن کہِ یَا	آنکیا یعنی کہا
۳۴	دیتیٗ	دیتا
۴۰	پَتھاوَنہٗ	پتھاویں
۴۲	تھاَ	تہا
۴۴	نہہ	نہ یہ
۸۳	جکنہ	جگیں
۸۴	کھجوریٗ	کھجورا
۱۰۰	دُنیٗ	دُنیا

۱۹۶	کاتہنہَ	کاٹھ (کاٹھ ۔لکڑی)
۱۸۹	ٹھاس نہ	ٹھاسنا
۲۶۳	حمت	ہمت
۳۸۸	جھری	جھتُری
۴۲۳	کھریٔ تھیے	کھڑا تھا
۴۴۸	آندھلا بٹرٗ	اندھلا بٹیر
۴۵۵	اکھپور رائتی	آگھورائے
۴۵۶	پوپتنہ	پوپتاں
۵۸۲	منجکوں	منجہ کوں
۶۶۹	آن نا	آننا[9]

غرض کہ اس قسم کی الجھنوں اور تضاد سے اس مخطوطہ میں قدم قدم پر واسطہ پڑتا ہے اور پڑھنے والا رسم الخط کی بھول بھلیوں میں گم ہوجاتا ہے۔ اس میں نہ صرف ضمائر اور افعال کی شکلوں میں تنوع پایا جاتا ہے بلکہ ایک ہی اسم کے لیے مختلف الفاظ اور مختلف املا بھی ملتے ہیں۔ اس مثنوی میں استعمال ہونے والی زبان میں روزمرہ اور محاورے کی ایسی رچاوٹ ہے کہ اسے دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ یہ مثنوی اس زبان کا پہلا نمونہ نہیں ہے بلکہ اس سے قدیم تر نمونے بھی ہوں گے جو یا تو ضائع ہوگئے یا ابھی تک ہماری نظروں سے اوجھل گئے ہیں۔ اس مثنوی میں تقریباً بارہ ہزار الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور ان میں صرف سواسو کے قریب الفاظ عربی اور فارسی کے ہیں۔ ان میں بہت سے الفاظ بگڑی ہوئی شکل میں آئے ہیں مثلاً یہ مثالیں دیکھیں:

''شعر نمبر ۷ ۔ مشالا اِک سُورا چایا سرشت (مشالا : مشعل)

شعر نمبر ۵۹ ۔ کہ جوز ادھرے ہست، درباش کر (درباش ، دورباش)

شعر نمبر ۶۳۵ ۔ ہری پنکھ کانون جگ تھیں اُچاؤ (کانون ۔ قانون)

شعر نمبر ۲۶۳ ۔ کہ ہست بن نہوئے اور حمت بن نہوئے (حمت ۔ ہمت)

شعر نمبر ۹۲۲ ۔ پڑیا یوں دِسے جیوں طبیلا ترنگ (طبیلا ۔طویلہ)''[10]

اس مثنوی میں جو زبان استعمال ہوئی ہے اس کا بنیادی ڈھانچہ ، فاعل فعل مفعول کی ترتیب، مصرعوں کی ساخت، ضمائر اور افعال کا استعمال وہی ہے جو آج بھی اُردو کا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ مثنوی اردو زبان کی پہلی روایت کی نمائندہ ہے۔ جس کا ذخیرۂ الفاظ ، اسلوب ،لہجہ آج کی زندہ اور بولی جانے والی زبان سے مختلف ہے لیکن اگر اس کا مقابلہ آج کی اس زبان سے کریں جو ہندوستان کی ادبی کتابوں میں نظر آتی ہے اور جسے ''ہندی'' کا نام دیا جاتا ہے تو اس کا اسلوب جدید ہندی اسلوب سے مشابہ نظر آتا ہے۔''[11]

روزمرہ اور محاورہ کا استعمال :

مثنوی کدم راؤ پدم راؤ میں محاورات کا استعمال بھی کثرت سے کیا گیا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

’’ ٹھکائی کرنا___ کہیں بیس پیچھے دیوں بار جگ ___ٹھکائیں کروں جو کرے جگ ٹھگ ۵۰۹۔

گانٹھ باندھنا___ ستم ایک لے گانٹھ باندھے حکوئے___ کہ اس بدھ تھیں کیوں ...... ہوئے ۵۰۳۔

کان میں انگلی دھرنا___ جو آکھور کیرے کہوں کھول گن ___ تہیں کان انگل دھرے بات سن ۔۵۵۲۔

ہوا ہونا___ کدم راؤ جب بھول راواں ہوا___ ہوا ڈر ہوا ہوگیا باد ہوا صفحہ ۷۳۔

آسمان کے تارے توڑلانا___ گھر ابھی بہت جھونٹ نہ بول جوڑ___ جنگل دھرت آ کاس تارے نہ توڑ ۸۵۸۔

آنکھ پھوڑنا___ جو بھر آنکھ دیکھے آنکھ پھوڑ___ ۸۵۴۔

ناک کاٹنا___ بتولی دیا پونچھتے کاٹ ناک

سر چڑھنا___ سو بھیس آج منجہ سر چڑھیا پائے دھر ۸۷۴۔

ناک اونچی کرنا___ جناں ناک اونچی کرے باؤ بل ، ۸۶۱‘‘ [۱۲]

ضرب الامثال اور کہاوتیں :

اس مثنوی میں بہت سی کہاوتیں ایسی ہیں جو آج بھی اسی طرح بولی جاتی ہیں۔

۱۔ آج کا کام کل پر مت چھوڑ۔ جو کچھ کال کرناں سوتوں آج کر___ نہ گھال آج کا کام توں کال پر ۱۲۲۔

۲۔ سانپ کا کاٹا رسی سے بھی ڈرتا ہے___ وَدھا سانپ کا ہوئے جے کاوڑی___ ڈرے کیوں نہ وہ دیکھ پھاندا پڑی ۔ ۱۷۱

۳۔ دودھ کا جَلا چھاچھ کو بھی پھونک مار مار کر پیتا ہے۔

بڑے ساچ کہہ گئے بول اچوک ۱۷۲۔

ودَھا دُود کا چھاچھا پیوے پھوک‘‘ [۱۳]

۴۔ پانچوں انگلیاں کبھی ایک سی نہیں ہوتیں___ نہ ہوی کدھیں پانچ انگل سماں ۔۲۰۲ ۔

۵۔ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا___ جیسا اوچتا دیہہ دنے پیٹ بھر___ لہے بلی پھل چھنکا پڑیا ٹوٹ کر۔ ۴۴۹۔

۶۔ دوُر کے ڈھول سہانے___ بھلی جانے دور تھیں ڈھول نار___ بُرا وہ جو نیڑے کرے ڈھول ساد ۔ ۸۹۹۔

فارسی ضرب الامثال اور کہاوتیں :

۱۔ خشتِ اول گر نہد معمار کج___ تا ثریا می رود دیوار کج

جو نیکا اٹھے ترن بن رکھ کوئے___ سو سیدھا کدھیں رُکھ بڈھن نہ ہوئے ، ۱۹۷۔

۲۔ چاہ کندن راچاہ درپیش

کہ جے کوئی کس تائیں کھودے جے کوہ ___ وہی پڑ مرے کوہ تس کردر دہ ، ۸۷۸۔

۳۔ خلقِ خدا تنگ نیست ___ پائے مرا تنگ نیست

نکل جاؤں سر ہانڈ منج تنگ نہ ___ جہاں جانو سینسار تو تنگ نہ ، ۶۵۵ [۱۴]

تلمیحات :

مثنوی کدم راؤ پدم راؤ میں ہندی تلمیحات کے ساتھ ساتھ اسلامی تلمیحات بھی موجود ہیں، چند مثالیں درج ذیل ہیں:

''بھلے تہیں کہیا آج رامان منجہ ___ کہیا دیکھ توں کال ہنجاں منجہ، ۱۴۲

براھیم ادھم کے جیوں چھوڑ راج ___ گیا راج تھل دے سنور آپ کاج ، ۲۱۵

کہ جے رام کے یار ہنونت تھا ___ نہ تجہ سار کا اوہ ہتونت تھا ۵۸۰

نہ منجہ دھیر ایوب نہ نوح نانو ___ نہ منجہ درب قاروں رکھوں کت پانو ۷۸۵'' [۱۵]

مرہٹی زبان کے اثرات :

دکن کی قدیم شکل کی اردو زبان نے شمالی ہند سے سفر شروع کیا تھا۔ پھر مقامی زبانوں کی لسانی خصوصیات اور الفاظ کو اپنے ساتھ ملا کر ایک نئی زبان بنی اور اس زبان پر سب سے زیادہ اثر مرہٹی کا پڑا کیونکہ ہند آریائی تھی۔

گھر سے اپچار ناچار پاپ ___ نہ بھاوے مجھے وہ جو میراج پاپ، ۲۲۸۔

اکا یک کہیا تو نچہ میراج سیکو ___ دھنور بدیا میں دیا تدہ بھیک، ۵۵۴ ۔

مرہٹی کے اور بھی بہت سے الفاظ اس مثنوی میں موجود ہیں۔ ایک جگہ نظامی نے مرہٹی سبد کا حوالہ بھی دیا ہے وہ شعر دیکھیں:

سبد مرہٹی جے کہیا ایک چت ___ کہ جے آپ لے داس راوان گت ، ۶۴۰۔

پنجابی کا اثر :

پنجابی کا اثر قدیم اُردو پر بہت نمایاں ہے۔ کدم راؤ پدم راؤ میں بھی یہ اثرات گہرے ہیں:

آنیں ، آننا ، لانا ___ ئیں سا کھ ہو کر نہ آنیں دوئی ، ۶ ۔

بڑا رکھ آنیا شرع کی اران ، ۳۶۔

دِیسے ۔ دکھائی دے ___ جو مجہ انک دِیسے سو مندان تجہ

سنوئے فخر دیں تو بسر آنکھیا

کیتا ۔ ماضی مطلع کی شکل ۔ بنی بیر مَنہ دند کہتا بنار

فلک پیچ لوڑے جے سر سجری

نیکا۔ چھوٹا جو نیکا اٹھے ترن بن رکھ کوے

نہ تھک تھک پنا چھوڑ سی جگ تھک

گجراتی کے اثرات:

اس مثنوی کے زبان وبیان پر افعال وضمائر ، واحد جمع کے طریقوں پر مختلف زبانوں مثلاً کھڑی بولی ، برج بھاشا، ہریانی ، راجھستانی وغیرہ کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سندھی کے اثرات بھی نمایاں ہیں سندھی میں یہ قاعدہ آج بھی رائج ہے کہ عام طور پر آخری حرف پر'' زبر'' لگادیا جاتا ہے یعنی آخری حرف متحرک آواز دیتا ہے اور مثنوی میں بھی آخری حروف پر '' زبر'' لگایا گیا ہے۔ مثنوی کدم راوٗ پدم راوٗ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ زبان شمال سے گئی اور دکن میں پھیل کر عام زبان بن گئی اور تقریباً سوا سو سال کے عرصے میں وہاں کی زبانوں کے اثرات کو اس طرح جذب کر لیا کہ وہ خود اس کا حصہ بن گئیں دوسرے یہ کہ یہ اثرات کدم راوٗ پدم راوٗ میں ایک ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔

مثنوی کے بارے میں جمیل جالبی نے ایک مفصل اور جامع مقدمہ لکھا ہے۔ اس میں مثنوی کے زمانہ تصنیف ، حالاتِ مصنف ، موضوعِ مثنوی، املا اور لسانی خصوصیات پر بحث کی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں جامع فرہنگ میں جس میں دکنی الفاظ کے موجودہ معانی لکھے گئے ہیں۔ دو ضمیمے ہیں۔ ایک میں سلاطین بہمنی کا تعارف ہے اور دوسرے میں (دو ضمیمے ہیں) ۔اور ان شخصیات کا احوال ہے جن کا ذکر مثنوی میں آیا ہے۔ ڈاکٹر جالبی صاحب نے یہ مثنوی مرتب کر کے بلاشبہ ایک عہد آفرین تحقیقی کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ انھوں نے تقریباً سات برس اس پر کام کیا ہے۔ جس محنت اور جانفشانی سے انھوں نے اس پر کام کیا ہے اس کی مثالیں اس زمانے میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں :

> '' مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ جالبی صاحب کی تحقیق میں بھی ایک تخلیقی رنگ وآہنگ پایا جاتا ہے اور یہ انداز اردو کے بہت کم محققوں کو نصیب ہوا ہے۔'' [۱۶]

حوالہ جات

۱۔ وزیر آغا ،جمیل جالبی ایک مطالعہ ، مرتبہ گوہر نوشاہی ، ادارۂ فروغِ اُردو ،۱۹۹۳ء ،ص ۴۲۴۔

۲۔ جمیل جالبی ڈاکٹر، (مرتبہ) مثنوی نظامی دکنی ، انجمن ترقی اردو پاکستان ،۱۹۷۳ء ،ص ۳۵۔

۳۔ تذکرہ سلاطینِ دکن از عبدالجبار خاں ،مطبوعہ فخر نظامی ، حیدرآباد۔ ت۔ ن ،ص ۵۲۴۔

۴۔ نصیر الدین ہاشمی ، دکن میں اُردو ، اردو اکیڈمی سندھ ، کراچی ،۱۹۶۰ء ،ص ۳۴۔

۵۔ سہ ماہی اردو ادب،علی گڑھ، شمارہ نمبر ۲، ۱۹۶۶ء ،ص ۴۶۔

۶۔ مقالاتِ حافظ محمود شیرانی ، مرتبہ مظہر محمود شیرانی ، مجلس ترقی ادب ، لاہور جلد اول ، ۱۹۶۶ء ،ص ۲۰۷۔

۷۔ مخطوطاتِ انجمن ترقی اردو ، مرتبہ افسر صدیقی ، امروہوی، جلد اول انجمن ترقی اردو کراچی ، ۱۹۶۵ء ،ص ۳۷۳۔

۸۔ غلام مصطفیٰ خاں ،علمی نقوش ، اعلیٰ کتاب خانہ ، ناظم آباد کراچی ، ۱۹۵۷ء،ص ۱۰۷۔

۹۔ مثنوی نظامی دکنی ،ص ۲۸۔

۱۰۔ ایضاً ،ص ۳۶۔

۱۱۔ ایضاً ،ص ۳۸۔

۱۲۔ ایضاً ،ص ۳۹، ۴۰۔

۱۳۔ ایضاً ،ص ۴۰۔

۱۴۔ ایضاً ،ص ۴۲۔

۱۵۔ ایضاً ،ص ۴۳۔

۱۶۔ عبادت بریلوی ڈاکٹر، جمیل جالبی ایک مطالعہ، مرتبہ گوہر نوشاہی ، ادارہ فروغِ اردو ، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۲۲۰۔